فکرو نظر............ اسلام آباد   جلد ۴۹   شمارہ:۱

تفسیر قرآن میں قرآن سے استفادہ کے حدود

محمد رضی الاسلام ندوی☆

Abstract

Al-Quran - the Book of guidance for humanity was revealed to Muhammad (saw). The divine language of Al-Quran has its specific terminology and phrases. Each and every word of the Quran implies a number of meanings and stands for multi-shades of its perception. In the beginning these meanings were interpreted by the Prophet (saw) himself, by Sahaba and Tabien and later on by Mufasirin and Fuqaha. They devised and adopted their own methodologies of interpreting the words and ayaat of the Quran. One kind of the methodology is named Tafsir al-Quran bil Quran. It means interpreting ayaat and phrases of Quran with the help of other relevant ayaat and phrases in the Quran found in different places and sometimes in different contexts. This methodology identifies possible similarity of the meaning of two ayaat under reference. This article focuses on the parameters of this methodology for the interpretation of Quran. It includes the nature of methodology and possible ways of deducing meaning of similar ayaat and phrases of the Qran. This article narrates the merits and the significance of methodology highlighted by the scholars. The article also points out delicate difference between Nazm-e-Quran and Tafsir al-Quran Tafsir bil Quran. The writer emphasizes that adoption of this methodology does not mean rejection of other methodologies rather he warns emergence of mistakes in total rejection of other methodologies. He quoted a number of examples of the mistakes to make his argument.

☆ معاون مدیر سہ ماہی تحقیقات اسلامی، ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، بھارت، علی گڑھ۔

قرآن کریم کتاب ہدایت ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں سے متعلق رہ نمائی فراہم کی گئی ہے اور اس پر آفاق و انفس کے دلائل قائم کیے گئے ہیں۔ اس کا نزول 'عربی مبین' میں ہوا ہے۔ جس ذاتِ گرامی ﷺ پر وہ نازل ہوا اس نے اس کی تبیین و تشریح کا فریضہ انجام دیا۔ حضرات صحابہ و تابعینؒ اور بعد میں مفسرین و محدثین اور دیگر اصحاب علم نے اس کے فہم و تدبر میں اپنی بہترین صلاحیتیں وقف کر دیں۔ اس لیے فہم قرآن میں جملہ علوم اور وسائل سے استفادہ مطلوب و مستحسن ہے۔ لیکن اس معاملے میں سب پر مقدم خود قرآن ہے۔ ضروری ہے کہ سب سے پہلے قرآن ہی سے استفادہ کیا جائے اور سب سے زیادہ اسی کو اہمیت دی جاے۔ قرآن نے خود اپنی تعریف کِتَاباً مُتَشَابِہا(۱) کے الفاظ سے کی ہے۔ قرآنی مضامین مختلف شکلوں اور گونا گوں پیرایوں میں بار بار آتے ہیں۔ ایک جگہ اجمال ہوتا ہے تو دوسری جگہ تفصیل، کہیں کوئی پہلو مخفی ہوتا ہے تو کہیں واضح۔ ایک جگہ دعویٰ ہوتا ہے تو دوسر جگہ اس کی دلیل مذکور ہوتی ہے۔ ایک آیت میں ابہام ہوتا ہے، دوسری آیت میں اسے کھول دیا جاتا ہے۔ اسی لیے علماء نے زور دے کر یہ بات کہی ہے کہ آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح کے لیے سب سے پہلے خود قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ علامہ جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

> **قال العلماء: من أراد تفسیر الکتاب العزیز طلبه اوّلا من القرآن(۲)**
>
> ''علماء نے کہا ہے: جو شخص کتاب عزیز کی تفسیر کرنا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ سب سے پہلے خود قرآن سے رجوع کرے''

یہی بات تدریس قرآن کے سلسلے میں بھی کہی جائے گی۔ قرآن کریم کی تعلیم و تدریس میں حسب ضرورت دیگر علوم سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے، لیکن سب سے زیادہ زور خود قرآن سے استفادہ پر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ آیات قرآنی کے معنیٰ مراد کی واقفیت اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کس کی ہو سکتی ہے۔

اصول تفسیر میں اس چیز کو ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کا نام دیا گیاہے۔

تفسیرالقرآن بالقرآن سے مراد

قرآن کے ذریعے قرآن کی تفسیر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آیات قرآنی کی تشریح و توضیح میں قرآن کے دیگر مقامات کی آیات سے، جن میں وہ معنیٰ زیادہ وضاحت سے آیا ہو، استفادہ کیاجائے۔ ڈاکٹر محمد ابو شھبہ نے اس اصطلاح کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> **هو تفسیر بعض آیات القرآن بما ورد فی القرآن نفسهٔ فان القرآن یفسر بعضه بعضاً(۳)**

''تفسیر القرآن بالقرآن کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر قرآن ہی کی کسی دوسری آیت سے کی جائے۔ اس لیے کہ قرآن کے ایک حصے کی تفسیر دوسرے حصے سے ہو جاتی ہے''۔

تفسیر ماثور کی ایک قسم :

تفسیر القرآن بالقرآن کو بیشتر علماء نے تفسیر ماثور کی ایک قسم قرار دیا ہے ۔ ڈاکٹر عدنان محمد زرزور لکھتے ہیں:

''یہاں اہم بات یہ ہے کہ علوم قرآن کی تاریخ بیان کرنے والوں اور ان میں اشتغال رکھنے والوں نے تفسیر القرآن بالقرآن، نبی ﷺ کی تفسیر قرآن اور صحابہ کرام سے منقول تفسیر کو اصطلاحی طور پر ''التفسیر بالماثورۃ'' کا نام دیا ہے۔ انہوں نے اس کی یہ تعریف کی ہے: **هو ما جاء فی القرآن والسنة و كلام الصحابة بياناً لمراد اللّٰه تعالیٰ من كتابه** (۴)
(تفسیر ماثور سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو قرآن، سنت اور کلام صحابہ میں اللہ کی کتاب میں اس کی مراد واضح کرنے کے لیے آئی ہیں) (۵)

علامہ سیوطی اپنی تفسیر'' الدرالمنثور فی التفسیر بالماثورۃ'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

يشمل التفسير الماثور ما جاء فی القرآن الكريم نفسه من البيان و التفصيل لبعض آياته وما نقل من رسول اللّٰه ﷺ وما نقل من الصحابة رضوان اللّٰه عليهم وما نقل من التابعين من كل ما هو بيان و توضيح لمراد اللّٰه تعالیٰ من نصوص الكتاب الكريم (۶)

''جو کچھ خود قرآن کریم میں اس کی بعض آیات کی وضاحت وتفصیل کے سلسلے میں وارد ہوا ہے اور جو کچھ کتاب الٰہی کے نصوص میں اللہ تعالیٰ کی مراد کی توضیح و تشریح میں رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعین سے منقول ہے، سب تفسیر ماثور میں شامل ہے۔''

تفسیر ماثور کی یہی تعریف دیگر مفسرین اور علوم قرآنی پر لکھنے والوں نے کی ہے(۷)

اگرچہ بعض علماء کو اسے تفسیر ماثور کی ایک قسم ماننے میں تامل ہے۔ ڈاکٹر عدنان زرزور کہتے ہیں:

أما تفسير القرآن بالقرآن فهو من أولى خطوات المنهج السليم فی تفيسر القرآن ، وان كانت تسميته تفسيراً بالماثور فيه نظر (۸)

''جہاں تک تفسیر القرآن بالقرآن کا معاملہ ہے تو وہ تفسیر قرآن کے محفوظ منہج کے اولین

مراحل میں سے ہے، اگرچہ اسے تفسیر ماثور کا نام دینا محل نظر ہے۔''

یہی نہیں بلکہ بعض علماء اسے تفسیر ہی نہیں مانتے۔ ڈاکٹر مساعد مسلم عبداللہ نے لکھا ہے:

یری قسم من العلماء ان ما فی القرآن لا یعتبر تفسیراً ولا یعتبر القرآن مما یستمد منه التفسیر (۹)

''بعض علماء کا خیال ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے اسے تفسیر نہیں قرا دیا جا سکتا۔ قرآن کو تفسیر کا ماخذ کہنا صحیح نہیں۔''

اس سلسلے میں انہوں نے ماضی قریب میں الجزائر کے مشہور عالم دین اور مفسر شیخ محمد الطاہر بن عاشور (۱۳۸۳ھ ۱۹۷۳ء) کا یہ اقتباس پیش کیا ہے جو ان کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتا ہے:

ولا یعد من استمداد التفسیر ما فی بعض آی القرآن من معنیٰ یفسر بعضاً منها، لأن ذلک من قبل حمل الکلام علی بعض کتخصیص العموم و تقیید المطلق و بیان المجمل و تاویل الظاهر ودلالة الاقتضاء و فحوی الخطاب ولحن الخطاب و مفهوم المخالفة(۱۰)

قرآن کریم کی بعض آیات سے اس کی دیگر آیات کی جو تشریح و وضاحت ہوتی ہے اس کا شمار تفسیر میں نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن میں تخصیص عموم، تقیید مطلق، بیان مجمل، تاویل ظاہر، دلالۃ الاقتضاء، فحوی الخطاب، لحن الخطاب اور مفہوم مخالف جیسی جو چیزیں پائی جاتی ہیں وہ بعض کلام کو بعض پر محمول کرنے کے قبیل سے ہیں۔

تفسیر بالقرآن کی اہمیت

طرق تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اسے تفسیر کا صحیح ترین، قدیم ترین اور محفوظ ترین طریقہ قرار دیا گیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ (م۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

فإن قال قائل: فما أحسن طرق التفسیر فالجواب: إنَّ أصح الطرق فی ذلک ان یفسر القرآن بالقرآن (۱۱)

اگر کوئی شخص دریافت کرے کہ تفسیر کا سب سے اچھا طریقہ کون سا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔

یہی بات علامہ ابن کثیرؒ (م۷۷۴ھ) اور علامہ بدرالدین زرکشیؒ (م۷۹۴ھ) نے بھی لکھی ہے (۱۲)

شیخ محمد الامین الشنقیطیؒ (م۱۳۹۳ھ) نے اس طریقہ تفسیر کی اہمیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

أما تفسير القرآن بالقرآن فانّه أشرف أنواع التفسير و أجلها اذ لا أحد أعلم بمعنى كلام اللّٰه من اللّٰه جلّ و عز (۱۳)

جہاں تک تفسیر القرآن بالقرآن کا معاملہ ہے تو یہ تفسیر کی سب سے بلند پایہ اور عظیم صورت ہے، اس لیے کہ کلام اللہ کے معنی اور مفہوم کا علم اللہ سے بڑھ کر کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی فرماتے ہیں:

تفسير القرآن بالقرآن هو ما كان يرجع اليه الصحابه فى تعرف بعض معانى القرآن (۱۴)

تفسیر القرآن بالقرآن وہ اصول ہے جسے صحابہ کرام بعض معانی قرآن سے واقفیت کے لیے اختیار کرتے تھے۔

بعض حضرات نے اس کی اہمیت بیان کرنے اور اس پر زور دیتے ہوئے یہاں تک کہا ہے کہ اس طریقۂ تفسیر سے کسی کے لیے اعراض کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ اس سے اعراض کرنے کی صورت میں لغزشوں میں پڑنے کا بہت زیادہ امکان رہتا ہے۔ ڈاکٹر محمود النقراشی السید علی لکھتے ہیں:

وهذه المرحلة لا يجوز لأحد مهما كان ان يعرض عنها، والتجربة تثبت أن من حاول الابتعاد عن هذه المرحلة توشک ان تنزلق قدماه ان لم تكن قد انزلقت بالفعل (۱۵)

کوئی بھی شخص ہو اس کے لیے تفسیر کے اس مرحلے سے اعراض کرنا جائز نہیں ہے۔ تجربہ نے ثابت کردیا ہے کہ جو شخص بھی اس سے دور ہونے کی کوشش کرے گا، اگر اس کے قدم واقعۃً نہیں پھسلے تو بھی پھسلنے کا خطرہ باقی رہے گا۔

تفسیر بالقرآن کی اہمیت پر موجودہ دور کے عظیم مفسر مولانا حمید الدین فراہیؒ (م۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء) اور ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی (م۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء) نے بھی روشنی ڈالی ہے۔ مولانا فراہی فرماتے ہیں:

اول شيىء يفسر القرآن هو القرآن نفسه (۱۶)

پہلی چیز جو قرآن کی تفسیر میں مرجع کا کام دے سکتی ہے وہ خود قرآن ہے (۱۷)

من المآخذ ما هو أصل و إمام و منها ما هو كالفرع والتبع أما الامام والأساس فليس الاالقرآن نفسه (۱۸)

بعض مآخذ اصل و اساس کی حیثیت رکھتے ہیں اور بعض فرع کی اصل و اساس کی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے۔ (۱۹)

أجمع أهل التأويل من السلف الى الخلف على أن القرآن يفسر بعضه بعضاً ، وأنه أوثق تعويلاً وأحسن تأويلاً (۲۰)

''یہ بات قدیم دور سے علماء کہتے آئے ہیں کہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن ہی کی دوسری آیات کی روشنی میں کی گئی تفسیر سب سے زیادہ قابل اعتماد، واضح اور خوبصورت ہوتی ہے''(۲۱)

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

قرآن مجید کے فہم و تدبر کے لیے اصلی چیز خود قرآن مجید ہی ہے۔ اس لیے قرآن کے طالب کو چاہیے کہ وہ تمام مشکلات میں پہلے قرآن مجید ہی کی رہ نمائی ڈھونڈھے۔ سلف کا مذہب بالاتفاق یہ رہا ہے کہ **القرآن یفسر بعضه بعضاً**(قرآن کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کی خود تفسیر کرتا ہے(۲۲)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''تفسیر کا تیسرا قطعی اصول یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے ۔ قرآن کی تفسیر کا سب سے زیادہ معتبر ماخذ خود قرآن شریف ہے''(۲۳)

اسی اہمیت کے پیش نظر متعدد مفسرین نے اس اصول کو بنیاد بنا کر تفسیریں لکھی ہیں، حتی کہ بعض مفسرین نے اس اصول کو اپنی تفسیروں کے نام کا جز بنا دیا ہے:

- الشیخ محمد الامین الشنقیطی (م۱۳۹۳ھ) — **أضواء البيان فى ايضاح القرآن بالقرآن**
- مولانا ثناء اللہ امرتسری (م۱۳۶۷ھ) — **تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن**
- مولانا حمید الدین فراہی(م۱۳۴۹ھ) — **تفسير نظام القرآن و تاويل الفرقان بالفرقان**
- الاستاذ عبدالکریم الخطیب — **التفسير القرآنى للقرآن**
- محمد الصادقی — **الفرقان فى تفسير القرآن بالقرآن والسنة**

کتب تفسیر میں اس اصول کا استعمال کما حقہ نہیں ہو سکا

تمام علمائے تفسیر کو تفسیر القرآن بالقرآن کی غیر معمولی اہمیت کا ادراک و احساس رہا ہے۔ اس کے باوجود وہ اسے اپنی تفسیروں میں صحیح طریقے سے برت نہیں سکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کام کے لیے پورے قرآن پر وسیع، عمیق اور دقیق نظر مطلوب ہے اور اس معاملے میں تمام مفسرین ایک معیار پر نہیں رہے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے لکھا ہے :

''تفسیر القرآن بالقرآن، جو تمام مفسرین کے نزدیک تفسیر کا بنیادی ماخذ سمجھا جاتا ہے اور جس کی طرف صحابہ کرام بعض معنی قرآن کے فہم کے لیے رجوع کرتے تھے، کوئی ٹیکنیکل عمل نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے قرآن میں بہت زیادہ غور و تدبر کی ضرورت ہے، اس لیے کہ مجمل کو مبیّن پر، مطلق کو مقید پر ، عام کو خاص پر یا دو قرأتوں میں سے ایک کو دوسری پر محمول کرنا آسان نہیں ہے۔''(۲۴)

اس کوتاہی کا شکوہ مولانا حمید الدین فراہی اور ان کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی کیاہے۔ مولانا فراہی فرماتے ہیں:

قالت العلماء قديماً إنّ القرآن يفسّر بعضه بعضاً، و ذلک ظاهر جدّا...... فهذا اصل راسخ، ولكن قل استعمال هذا الأصل، وذلک بان طرق الدلالة على المعانى غير محصورة فربّما تدل اٰية على معنیٰ يكون دليلاً علیٰ معنى فى آية أخرى، وربّما يدلّ اقتران آيتين على معنیٰ خفى بعض الخفاء ، فان بيّنّا طرق هذه الدلالات تيسّر استعمال هذا الاصل(۲۵)

''یہ بات قدیم دور سے علماء کہتے آئے ہیں کہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے ...... قرآن نے ایک سے زیادہ مقامات میں اپنی خصوصیت کی تصریح کی ہے اور یہ تفسیر کی ایک مضبوط اساس ہے۔ لیکن استعمال اس اساس کا بہت کم ہوا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ معانی پر استدلال کی راہیں محدود نہیں ہیں۔ کبھی ایک آیت کسی ایسے مفہوم کے لیے دلیل فراہم کرتی ہے جو دوسری آیت میں ہوتا ہے اور کبھی دو آیتوں یا جملوں کا ساتھ ساتھ واقع ہوں ایسے مفاہیم کے لیے دلیل مہیا کرتا ہے جو کسی قدر مخفی ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس طرح کے استدلال کی راہیں کھول دیں تو مذکورہ اساس کا استعمال آسان ہو جائے گا'' (۲۶)

مولانا امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

''سلف کا مذہب بالاتفاق یہ رہا ہے کہ **القرآن يفسّر بعضه بعضاً** (قرآن کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے) اور قرآن نے خود ہی اپنی صفت **كِتَاباً مُتَشَبِهاً** بیان کی ہے ، جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ہر حصہ دوسرے حصے سے ملتا جلتا ہے۔ اصولی حیثیت سے یہ بات اگرچہ ہر دور میں ارباب تاویل کے پیش نظر رہی ہے، لیکن اس معاملے کی صحیح نوعیت تفصیل و وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے کبھی نہیں آئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

عموماً ارباب تفسیر کو یہ راہ نہایت دشوار نظر آئی اور وہ بعض ایسی وادیوں میں نکل گئے جو فہم قرآن سے نہایت دور کرنے والی تھیں، حالانکہ فہم قرآن کی کلید خود قرآن ہی ہے‘‘ (۲۷)

تفسیر بالقرآن کی مختلف صورتیں

قرآن کریم کے فہم و تدبر، تفسیر و تشریح اور تعلیم تدریس میں تفسیر بالقرآن کے اصول کا استعمال مختلف پہلوؤں سے ہوسکتا ہے ۔ ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کیا جائے گا۔ اور ہر ایک کی چند مثالیں بھی بیان کی جائیں گی تاکہ وجہ استدلال پوری طرح واضح ہو جائے۔

ا۔ بعض آیات کے اجمال کی دوسری آیات کے ذریعے تفصیل

تفسیر القرآن بالقرآن کا تذکرہ کرتے ہوئے عام طور سے تمام مفسرین اور اصول تفسیر اور علوم قرآنی کے موضوعات پر لکھنے والوں نے اس کے اس پہلو کو بیان کیا ہے ۔ انہوں نے لکھا ہے :

فما أجمل فی مکان فانه قد فسّر فی موضع آخر، وما اختصر فی مکان فقد بسط فی موضع آخر(۲۸)

قرآن میں اگر کسی جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ اس کی تشریح کر دی گئی ہے، کسی جگہ اختصار ہے تو دوسری جگہ اسی مضمون کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

اس موضوع پر علامہ ابن الجوزی (م۵۹۷ھ) نے مستقل ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ علامہ سیوطی نے بھی بہت سے مثالیں دی ہیں۔(۲۹)

مولانا امین احسن اصلاحی نے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :

قرآن نے خود اپنی صفت **کتابًا متشابهاً** بیان کی ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کا ہر حصہ دوسرے حصے سے ملتا ہے، نیز بعض مواقع پر اس امر کی بھی تشریح ہے کہ جس طرح قرآن کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اسی طرح اس کے اجمالات کی تفصیل کرنے کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے(۳۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے خود اپنی تعریف **کتاباً متشابهاً** کے الفاظ سے فرمائی ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کا ہر حصہ ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک ہی بات کہیں اجمال کے ساتھ آتی ہے کہیں تفصیل کے ساتھ، کہیں صرف دعویٰ کی شکل میں آتی ہے کہیں دلیل کے ساتھ، کہیں کسی چیز کے ساتھ آتی ہے کہیں کسی چیز کے ساتھ۔ ایک ہی بات کے اتنے گونا گوں پہلوؤں سے آنے کا

سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک بات اگر ایک جگہ سمجھ میں نہ آئی تو دوسری یا تیسری جگہ سمجھ میں آ جاتی ہے اور اگر ایک جگہ اس کا پہلو واضح ہونے سے رہ گیا تو دوسری جگہ کسی اور سیاق میں وہ ضرور واضح ہو جاتا ہے۔

اجمال کی تبیین و وضاحت آیات قرآنی میں کہیں متصلاً ہوتی ہے اور کہیں دوسرے مقام پر ۔ اول الذکر کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

١. وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ(البقرہ:١٨٧)

اس آیت میں الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ سے کیا مراد ہے ؟ اس کی وضاحت اگلے حصے مِنَ الْفَجْرِ سے ہو جاتی ہے۔

٢۔ سورۃ المائدۃ کی پہلی آیت یہ ہے :

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اس کی تفصیل و تشریح آیت نمبر٣، حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ...... الآیہ سے کر دی گئی ہے۔

٣۔ سورۃ الطارق کی (ابتدائی آیات یہ ہیں: وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ (آیات ١۔٣) ان میں النَّجْمُ الثَّاقِب ما قبل کے لفظ الطَّارِق کی تشریح ہے۔(٣٢)

٤۔ سورۃ الواقعہ میں وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً کی تشریح بعد کی آیت فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (آیات :٧۔١١) سے ہو جاتی ہے۔

٥۔ سورۃ معارج میں اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا کی تشریح ما بعد آیات اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا (آیات :١٩۔٢١) سے ہو جاتی ہے (٣٣)

جب کہ بعض آیات میں پائے جانے والے اجمال و ابہام کی تبیین و وضاحت دیگر مقامات پر پائی جانے والے آیات سے ہوتی ہے۔ اس کی چند مثالیں آئندہ سطور میں پیش کی جاتی ہیں۔

١۔ سورۃ الفاتحہ کی تیسری آیت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، يَوْمُ الدِّيْن کی تفصیل سورۃ الانفطار کی اس آیت میں موجود ہے: يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰه(آیت:١٩)

۲۔ اسی سورت الفاتحہ میں آگے ہے : آیت صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِم کی وضاحت اس آیت سے ہوتی ہے: وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ (النساء:۶۹)

۳۔ سورۃ البقرہ میں قصۂ آدم کے ضمن میں فَتَلَقّیٰٓ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ(آیت :۳۷) وہ کیا 'کلمات' تھے، ان کی تفصیل سورۂ اعراف میں موجود ہے : قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ(آیت ۲۳) (۳۴)

۴۔ نزول قرآن کا تذکرہ سورۂ الدخان میں ان الفاظ میں ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ (آیت:۳) یہاں ابہام ہے۔ سورۃ القدر میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس سے مراد لیلۃ القدر ہے : اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ(آیت :۱) (۳۵)

۵۔ سورۃ الزمر میں ہے: وَلٰکِنْ حَقَّتْ کَلِمَۃُ الْعَذَابِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (آیت ۷۱) کلمۃ العذاب کی تشریح و وضاحت سورۃ السجدہ کی اس آیت سے ہوتی ہے: وَ لٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ(آیت:۱۳)

۲۔عام کو خاص پر محمول کرنا:

قرآن کریم کی بعض آیت میں کوئی عمومی حکم مذکور ہوتا ہے۔ اس کی تخصیص بعض دیگر آیات سے ہو جاتی ہے ۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ سورۂ نساء میں ہے فَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً ا یُّجْزَ بِہٖ(آیت ۱۲۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص جو بھی برائی کرے گا اس کی سزا ہر حال میں پائے گا۔ اس عموم کو سورۂ شوریٰ کی اس آیت نے خاص کر دیا ہے:وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ(الشوریٰ: ۳۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّ عَشْرًا(البقرہ: ۲۳۴) اس آیت میں ان عورتوں کی عدت کا عمومی بیان ہے جن کے شوہروں کا انتقال ہو گیا ہو، خواہ وہ حاملہ ہوں یا نہ ہوں۔ دوسری آیت میں حاملہ عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے چاہے انہیں طلاق دی گئی ہو یا ان کے شوہروں کا انتقال ہو گیا ہو:وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ (الطلاق:۴) اس بنا پر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے ۔ اسے اصطلاح میں عموم خصوص من وجہ کہتے ہیں۔

۳۔ سورۂ البقرۃ میں ہے: وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (آیت ۲۲۸) اس آیت میں تمام مطلقہ عورتوں کا بیان ہے خواہ ان کے ساتھ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ دوسری آیت میں عورتوں کا بیان ہے جن کے ساتھ خلوت نہ ہوئی ہو:اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا (الاحزاب:۴۹) اس سے ان کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ اسے اصطلاح میں عموم خصوص مطلق کہتے ہیں۔(۳۶)

۳۔ آیت کے مطلق حکم کو دیگر آیات سے مقید کرنا

بعض آیات کے ذریعے دیگر آیات میں پائے جانے والے مطلق حکم کی تقید و تحدید ہو جاتی ہے۔ مثلاً سورۂ مائدہ میں تیمّم کا حکم ان الفاظ ہی میں آیا ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ(آیت۶) اس میں مطلق ہاتھ کہا گیا ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ ہاتھ کا مسح کہاں تک کیا جائے؟ اسی آیت کے ابتدائی حصے میں وضو کا بیان ہے۔ اس میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ(آیت۶) اس میں ہاتھ کو کہنیوں تک دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے حکم تیمّم میں ہاتھ اطلاق کو حکم وضو میں کہنیوں کی حد سے مقید کر دیا گیا ہے۔

یہ اصول فقہ کا ایک اہم موضوع ہے۔ مطلق حکم کو دیگر آیات کے ذریعے کب مقید کیا جائے گا اور کب نہیں؟ ان اصول و شرائط کے سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان بعض اختلافات ہیں۔ تفصیل کے لیے اصول فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

۴۔ قصص

تدریس قرآن میں قصص القرآن کے ضمن میں قرآن سے استفادہ کا ایک وسیع باب ہے۔ قرآن کریم میں جو قصص مذکور ہیں ان کی تمام تفصیلات یکجا نہیں ملتیں۔ کہیں انہیں مجمل بیان کیا گیا ہے، کہیں مفصل، کسی مقام میں ان کے ایک پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے تو دوسرے مقام میں دوسرے پہلو پر ۔ مثلاً قصۂ موسیٰ علیہ السلام سورہ مریم میں اجمال کے ساتھ مذکور ہے، لیکن البقرۃ، الاعراف، طہ ، الشعراء اور القصص وغیرہ میں تفصیل سے آیا ہے۔ اسی طرح قصۂ آدم و ابلیس، قصۂ ثمود اور دیگر قصص کہیں اختصار کے ساتھ اور دیگر مقامات پر تفصیل سے مذکور ہیں۔(۳۷)

اس لیے قرآن میں مذکور کسی قصے کی تدریس کے وقت دیگر تمام مقامات، جہاں اس قصہ کا کوئی جز بیان کیا گیا ہے، پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس سے قرآنی بیانات کی حکمتیں واضح ہوتی ہیں اور دقائق و نکات آشکار ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنی مشہور تصنیف ''الفوز الکبیر'' میں لکھا ہے:

> ''یہاں ایک باریک نکتہ ہے جسے جاننا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ قرآن بسا اوقات کوئی واقعہ کسی جگہ اجمال کے ساتھ بیان کرتا ہے اور دوسری جگہ اسی کو تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔ مثلاً قصۂ تخلیق آدم میں فرمایا: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ(البقرۃ:۳۰) پھر فرمایا: اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ مؤخرالذکر آیت میں اول الذکر آیت کے مضمون ہی کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ۔ اس سے اس کا اجمال دور ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح قصۂ عیسیٰؑ کا بیان سورۂ مریم میں مجمل ہے:وَ لِنَجْعَلَهٗٓ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا (آیت ۲۱) اسی کو سورۂ ال عمران میں مفصل ذکر کیا گیا ہے : وَ رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ (آیت:۴۹) یہاں تفصیلی بشارت مذکور ہے، جب کہ سورۂ مریم میں اجمال ہے۔''(۳۸)

۵۔ الفاظ قرآنی کے معانی کی تعیین

تفسیر بالقرآن کے ذریعے الفاظ قرآنی کے معانی کی تعیین میں بھی مدد ملتی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

> ''یقیناً اس آسمان کے نیچے صرف اسی کتاب عزیز کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے اکثر مشکل الفاظ و دقیق اسالیب کے حل کے لیے بھی اپنے اندر مثالوں اور نظائر کا ایک قیمتی ذخیرہ رکھتی ہے۔''(۳۹)

چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ خانۂ کعبہ کو قرآن کریم میں 'البیت العتیق' بھی کہا گیا ہے: وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ(الحج:۲۹) ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ (الحج :۳۳) لغت میں 'عتیق' کے کئی معانی مذکور ہیں: (۱) قدیم (۲) آزاد (۳) قابل تکریم (۴) خانۂ کعبہ کے تعلق سے یہ تینوں معانی مراد لیے جا سکتے ہیں، لیکن چوں کہ اس کے بارے میں قرآن میں دوسرے مقام پر یہ آیت آئی ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا(ال عمران:۹۶) اس لیے تفسیر بالقرآن کی رو سے یہاں 'عتیق' کے معنیٰ قدیم مراد لینا زیادہ موزوں ہے۔(۴۰)

۲۔ سورۃ البقرہ میں ہے :وَ قَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اٰیَةَ مُلْکِهٖٓ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَکِیْنَةٌ مِّنْ

رَّبِّکُمْ وَ بَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَ اٰلُ ھٰرُوْنَ تَحْمِلُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (آیت:۲۴۸)
آل کے معنٰی اہل و عیال کے بھی ہوتے ہیں اور اس کا اطلاق خاندان، قوم اور اعوان و انصار پر بھی ہوتا ہے۔ اس بنا پر اس آیت میں آل موسیٰ و آل ہارون سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے گھر والے بھی ہو سکتے ہیں اور ان کے خاندان اور قوم کے لوگ بھی، لیکن چوں کہ آل کا استعمال قرآن میں دیگر مقامات پر قوم کے معنٰی میں ہوا ہے ۔ مثلاً درج ذیل آیات میں 'آل فرعون' قوم فرعون کے معنٰی میں ہے :

- وَ لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ (الاعراف:۱۳۰)
- وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَاب (المومن:۴۵)
- وَ اِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (الاعراف:۱۴۱)

(بنی اسرائیل کو اذیتوں میں مبتلا کرنے والی پوری قوم فرعون تھی اور اللہ کا عذاب بھی پوری قوم فرعون پر آیا) اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آل موسیٰ و آل ہارون کو قوم موسیٰ و قوم ہارون کے معنٰی میں لیا جائے(۴۱)

۶۔ اسالیب کی معرفت

تفسیر بالقرآن کے ذریعے بعض اسالیب قرآن کی وضاحت ہو جاتی ہے اور آیت کا معنٰی و مراد کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کا ایک اسلوب یہ ہے کہ وہ کسی جگہ ایک بات کو حذف کر دیتا ہے، دوسری جگہ اسی مضمون کی دوسری آیت میں اس بات کو کھول دیتا ہے۔ تفسیر بالقرآن کی مدد سے اول الذکر مقام میں حذف کا پتا چل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ (البقرۃ:۲۱۳) اس آیت میں کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً اور ' فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ......الآیہ کے درمیان ایک جملہ محذوف ہے فَاخْتَلَفُوْا اس کی وضاحت اگرچہ آگے فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ سے ہو رہی ہے، لیکن مزید وضاحت اس مضمون کی ایک دیگر آیت سے ہو جاتی ہے: وَ مَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا وَ لَوْ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَھُمْ فِیْمَا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْن (یونس:۱۹)(۴۲)

۷۔ تفسیر بالنظائر

قرآن کریم کا ایک اندازِ بیان یہ ہے کہ وہ ایک مسئلہ کے بعض پہلو ایک مقام پر تفصیل سے بیان کر دیتا ، لیکن دوسرے پہلو کو مجمل چھوڑ دیتا ہے ۔ دوسرے مقام پر وہ اس اجمال کی وضاحت کر

دیتا ہے، لیکن وہاں کسی اور پہلو میں اجمال پایا جاتا ہے۔ تیسرے مقام پر وہ اس اجمال کو کھول دیتا ہے، لیکن جس چیز کی وہ کہیں اور تفصیل کر چکا ہے، یہاں اس کو مجمل رہنے دیتا ہے۔ ان تمام مقامات کا اجمال واضح ہو جاتا ہے۔ مولانا فراہیؒ نے اسے تفسیر بالنظائر کا نام دیا ہے اور اس کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ یہاں دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ سورۂ انفال کی ایک آیت ہے : **اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** (آیت :۷۲) اس سے ذرا آگے یہ آیت آتی ہے: **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** (آیت:۷۴) یہاں **بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِم** کے الفاظ نہیں آئے۔ مگر وہ بھی لازماً مراد ہیں۔ یہاں سے اور آگے چل کر یہ آیت آئی ہے: **وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُم فَاُولٰٓئِکَ مِنْكُمْ** (آیت :۷۵) یہاں نہ **فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** کہہ کر تفصیل کی اور نہ **بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِم** قید لگائی، حالاں کہ مفہوم میں دونوں شامل ہیں اور اس پر دلیل **مَعَكُم** کا لفظ ہے(۴۳)

۲۔ سورۂ الاعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا: **اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا**(آیت ۱۲۸) دوسری جگہ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا:**وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ** (البقرہ:۴۵) اس سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ نماز استعانت باللہ کے ہم معنی ہے(۴۴)

۸۔ استقراء

قرآن کے کسی لفظ کے معنی کی تعیین کے لیے مناسب یہ ہے کہ قرآن میں اس کا استعمال جہاں جہاں ہوا ہو ان مقامات کو پیش نظر رکھا جائے یہ بات قدیم مفسرین نے بھی کہی تھی، لیکن ماضی قریب کے بعض مفسرین نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ مثلاً شیخ محمد عبدہ (م۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) شیخ محمد جمال الدین قاسمی (م۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء) اور شیخ محمد طاہر بن عاشور (م۱۳۹۳ء) کی تحریروں میں اس کی تاکید ملتی ہے ۔ بعد میں مصر کے مشہور ادیب اور عالم شیخ امین الخولی (م۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء) اور پھر ان کے شاگرد ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی (م۱۴۱۹ء ھ/ ۱۹۹۸ء)نے اسے ایک منہج بنا کر پیش کیا ۔ ڈاکٹر بنت الشاطی کی کتابوں ''التفسیر البیانی للقرآن'' اور'' الاعجاز البیانی للقرآن الکریم'' میں اس پر تفصیلی بحثیں ملتی ہیں اسے انہوں نے استقراء کا نام دیا ہے ۔ قرآن کے کسی حرف، لفظ یا اسلوب کی تحقیق کرنی ہو تو وہ قرآن میں اس کے تمام مواقع استعمال کا استقصاء کرتی ہیں اور پھر ان پر غور و تدبر کر کے اہم نتائج مستنبط کرتی ہیں۔ اس منہج کو تفسیر القرآن بالقرآن کے باب میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

قرآن میں بیوی کے لیے لفظ زوج بھی آیا ہے اور امرأۃ بھی ۔ قرآن میں ان دونوں الفاظ کے انتخاب اور ان کے الگ الگ استعمال میں کوئی حکمت پائی جاتی ہے؟ یا دونوں ہم معنی الفاظ میں سے قرآن نے کہیں ایک کو استعمال کر لیا ہے کہیں دوسرے کو ؟ اس کے لیے ڈاکٹر بنت الشاطی نے زوج اور امرأۃ کے تمام مواقع استعمال کا استقراء کیا اور ان کے سیاق میں غور و تدبر کر نے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ لفظ زوج کا استعمال قرآن میں اس جگہ ہوا ہے جہاں مرد و عورت کے درمیان تعلق کی بنیاد زوجیت ہو، حکمت اور نشانی کے اعتبار سے، یا قانون اور حکم کے اعتبار سے جہاں زوجیت کی یہ نشانی نہیں پائی جاتی وہاں قرآن نے امرأۃ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مثلاً:

آدم و حوا کے درمیان تعلق کی بنیاد زوجیت تھی، اس لیے ان کے قصے میں لفظ 'زوج' کا استعمال کیا گیا (البقرہ: ۳۵، الاعراف۱۹، طہٰ:۱۱۷)

لیکن جب خیانت یا اختلاف عقیدہ کی وجہ سے زوجیت کی نشانی، سکون، محبت اور رحمت۔ مفقود ہو جائے تو قرآن زوج کی بجائے امراۃ کا لفظ استعمال کرتا ہے ، جسے **امرأة العزيز** (یوسف:۳۰) **امرأة نوح** (التحریم:۱۰) **امرأة لوط** (الاعراف:۸۳، الحجر:۶۰، العنکبوت: ۳۳، النمل:۵۷، الذاریات:۸۱، التحریم:۱۰) **امرأة فرعون** (التحریم:۱۱)

جب مرد و عورت کے درمیان زوجیت کی حکمت بانجھ پن یا بیوگی کی وجہ سے مفقود ہو جائے تو قرآن زوج کی بجائے امرأۃ کا لفظ استعمال کرتاہے ، جیسے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی حضرت سارہ (ھود:۷۱، الذاریات:۲۹) اور عمران کی بیوی (آل عمران :۳۵) کے لیے۔ حضرت زکریاؑ کی بیوی جب تک بانجھ رہتی ہیں اس وقت تک قرآن ان کے لیے امرأۃ کا لفظ استعمال کرتا ہے(آل عمران:۴۰،مریم:۵) لیکن جب ان کا بانجھ پن دور ہو جاتا ہے تو ان کے لیے زوج کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔(الانبیاء:۹۰)

قرآن زوج اور امرأۃ کے درمیان یہ فرق شخصیات کی جانب انتساب ہی کے معاملے میں نہیں کرتا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر احکام میں بھی اسے ملحوظ رکھتا ہے۔ چنانچہ جب زوجیت حقیقتاً یا حکماً قائم ہو، جیسے میراث کے احکام اور شوہروں کی وفات کی صورت میں عورتوں کی عدت کے ضمن میں، تو وہ ازواج کا لفظ استعمال کرتاہے:

وَ لَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَکَ اَزْوَاجُکُم اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلدٌ (النساء: ۱۲)

وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا(البقرہ: ۲۴۰)

لیکن جب طلاق یا ایلاء کی وجہ سے زوجیت کا تعلق منقطع ہو جائے تو وہ ازواج کے بجائے نساء کا لفظ لاتا ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (الطلاق: ۱)

لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ(البقرہ: ۲۳۶)

عہد نبویؐ میں واقعۂ ظہار پیش آنے کے بعد سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ ان میں سے پہلی آیت میں قرآن نے زوج کا استعمال کیا ہے ۔قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا اس لیے کہ زوجیت قائم تھی۔ بعد کی آیات میں اس سلسلے کے احکام بتاتے ہوئے نساء کا لفظ استعمال کا کیا گیا (اَلَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ ھِمْ) اس لیے کہ ظہار کرنے والے عملاً زوجیت کو معطل کر دیتے ہیں۔

یہ استقراء اپنی جگہ خود بڑا معنی خیز ہے، لیکن آخر میں ڈاکٹر بنت الشاطی نے اس سے ایک دقیق استنباط یہ کیاہے کہ تطلیقات ثلاثہ والی آیت (فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ) (البقرہ: ۲۳۰) میں لفظ 'زوج' کے استعمال کا تقاضا ہے کہ طلاق بائن پانے والی عورت اور محلل کے درمیان زوجیت عملاً قائم ہو، محض نکاح کی ظاہری کارروائی سے، پہلے شوہر کی طرف اس کی دوبارہ واپسی جائز نہ ہو گی۔(۴۵)

وجوہ قرآنی میں معنیٰ کی تعیین

تفسیر بالقرآن کے ضمن میں ایک چیز یہ بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ وجوہ قرآنی میں معانی کی تعیین کے سلسلے میں دقت نظر سے کام لیا جائے۔ 'وجوہ' کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں بسا اوقات ایک لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی تعیین اس کے سیاق استعمال میں غور کرنے سے ہوتی ہے۔ اس موضوع پر قدیم مفسرین اور ماہرین علوم قرآنی نے بہت کچھ لکھا ہے ۔(۴۶)

مولانا فراہیؒ نے اپنی تصنیف مفردات القرآن مین اس پر جا بہ جا اظہار خیال کیاہے۔ اس سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ لفظ کتاب کے تحت فرماتے ہیں:

لفظ کتاب کا استعمال قرآن میں مختلف معانی میں ہوا ہے:

۱۔ کتاب اللہ ، یعنی اللہ کا کلام جو اس کے پیغمبروں پر نازل ہواہے۔

۲۔ اللہ کی طے کی ہوئی تقدیر جیسے وَ مَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ (الحجر:۴)

۳۔ فرض کردہ شرائع جیسے وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ (البقرہ: ۲۹، ال عمران:۱۶۴، الجمعہ۲)

۴۔ تقدیر پر مشتمل کتاب جیسے وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ (الانعام :۵۹)

۵۔ خط جیسے اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ (النمل :۲۹) (۴۷)

۲۔ لفظ 'ذکر' کے تحت لکھا ہے:

ہر وہ چیز جو تمہیں کسی چیز کی یاد دلائے وہ ذکر ہے۔ بسا اوقات اس کا استعمال تاریخ کے معنیٰ میں ہوتا ہے جیسے ارشاد باری: وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء:۱۰۵) یہ آیت قرآن میں صحف یہود میں سے صحف تاریخ کے تذکرہ کے بعد آئی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد باری ہے: فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:۴۳) یعنی جن کے پاس قوموں کی تاریخ ہے ۔ یہ یہود ہیں ۔ مراد ان کی کتابیں ہیں۔ (۴۸)

۳۔ لفظ 'ظن' کے تحت لکھا ہے:

''ظن کا مطلب ہے کسی چیز کو دیکھے بغیر اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا۔غیر مشہود ہونے کی وجہ سے چونکہ اس چیز پر یقین نہیں ہوا کرتا، اس لیے لفظ ظن میں شک کا معنیٰ پایا جاتا ہے ۔ قرآن میں ہے: اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ (الجاثیہ :۳۲) لیکن بن دیکھی چیز کے بارے میں رائے قائم کی جاتی ہے بسا اوقات وہ یقین پر مبنی ہوتی ہے، لیکن ظن کا لفظ اس کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ اس پر ظن کا اطلاق اس کے عام معنیٰ کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت میں صاحب ایمان کے قول کی حکایت ان الفاظ میں کی ہے: اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (الحاقۃ:۲۰) (۴۹)

نظم قرآن اور تفسیر بالقرآن:دو الگ الگ چیزیں

بعض حضرات تفسیر بالقرآن کا ایک نیا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ وہ اس کے مروّجہ مفہوم پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''عام طور پر تفاسیر سے تفسیر القرآن بالقرآن کا جو مفہوم سامنے آتا ہے وہ بلا شبہ اپنی جگہ صحیح ہے، لیکن اس میں جو چیز قابل غور ہے وہ یہ کہ اس مفہوم کی رو سے پورے قرآن کی تو درکنار نصفِ قرآن کی بھی تفسیر اس اصول پر ممکن نہیں'' (۵۰)

اس کے بالمقابل وہ نظم قرآن کو قرآن کا ایک جز قرار دیتے ہیں اور اس کی روشنی میں کی گئی تفسیر کو تفسیر القرآن بالقرآن کا مثالی اور معیاری نمونہ قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''اس کے بالمقابل امام فراہیؒ کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو قرآن کا کوئی ایسا حصہ نہیں رہتا جو اس اصول کی دسترس سے باہر ہو۔ اس لیے کہ نظم قرآن بھی قرآن کا ہی ایک جز ہے۔ اس سے علیحدہ کوئی چیز نہیں، لہٰذا اس کی روشنی میں جو تفسیر ہو گی وہ بھی تفسیر قرآن بالقرآن کے ہی تحت آئے گی۔ اس طرح امام فراہیؒ محض اپنے وسیع تر نظریۂ نظم قرآن کی بدولت ان تمام جگہوں پر تفسیر قرآن بالقرآن کے اصول پر کار بند نظر آتے ہیں جہاں عام طور پر دشواریاں پیش آتی ہیں''(۵۱)

سطور بالا میں جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ متعدد وجوہ سے محل نظر ہے:

۱۔ یہ کہاں سے لازم ہو گیا کہ تفسیر بالقرآن کا کوئی ایسا مفہوم مستنبط کیا جائے جس سے قرآن کی ہر آیت کی تفسیر ہو سکے۔ اصول تفسیر میں بیان کردہ اصولوں میں سے ہر اصول کا انطباق و اطلاق ہر آیت پر نہیں ہوتا۔

۲۔ یہ دعویٰ کہ نظم قرآن قرآن کا ہی ایک جز ہے ، اس سے علیحدہ کوئی چیز نہیں، محتاج ثبوت ہے۔ قرآن قطعی الدلالۃ ہے، جب کہ نظم قرآن ایک استنباطی چیز ہے۔

۳۔ نظم قرآن اور تفسیر بالقرآن کے درمیان خواہ کیسی ہی مناسبت بیان کی جائے اور اسے خواہ مولانا فراہیؒ کی امتیازی خصوصیت قرار دیا جائے، لیکن مولانا فراہیؒ نے یہ بات خود کہیں نہیں لکھی ہے۔ ان کا عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے نظم قرآن کا وسیع اور جامع تصور پیش کیا، لیکن ان کے نزدیک نظم قرآن اور تفسیر القرآن بالقرآن دونوں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر کا نام'' تفسیر نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان'' رکھاہے ۔ مقدمۂ تفسیر کی ابتداء میں انہوں نے دونوں چیزوں کا الگ الگ تذکرہ کیا ہے :

التمست معنیٰ الآیات من أخو اتها، و کذلک استنبطت نظام السوره من أعماقها و من نفس سیاقها (۵۲)

میں نے ہر آیت کا مفہوم اس کی مشابہ دوسری آیات کی روشنی میں متعین کیا ہے اور ہر سورت کے نظام کو اس کی تہ میں اتر کر اور اس کے سیاق کو سمجھ کر معلوم کرنے کی کوشش کی ہے (۵۳)

مولانا فراہیؒ تفسیر القرآن بالقرآن کو تفسیر بالآیات (۵۴) اور تفسیر بالنظائر (۵۵) سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بھی اپنی تفسیر تدبر قرآن کے مقدمہ میں فہم قرآن کے داخلی وسائل کے زیرعنوان نظم قرآن اور تفسیر القرآن بالقرآن دونوں سے الگ الگ بحث کی ہے (۵۶)

تفسیر بالقرآن پر زور دینے کا مطلب دیگر طرق تفسیر کا انکار نہیں

بعض حضرات تفسیر بالقرآن پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ اس سے سے دیگر طرق تفسیر سے استفادہ کا انکار لازم آتا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

القرآن هوالذی یفسر نفسه کما أخبر اللّٰه ولا یحتاج الی شئی من الخارج غیر الواقع الذی ینطبق علیه، ویؤیده من سنن اللّٰه فی الکون و نظامه فی الاجتماع (۵۷)

قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے، وہ خارج کی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے، سوائے اس ماحول کے جس پر اس کا انطباق ہوتا ہے۔ اس کی تائید کائنات میں اللہ کی سنتوں سے اور معاشرہ میں اس کے نظام سے ہوتی ہے۔لیکن یہ بات علی الاطلاق درست نہیں۔ قرآن کریم کے فہم اور تفسیر میں دیگر طرق تفسیر سے حسب ضرورت استفادہ لازم ہے۔ اس سے تغافل برتنے سے آیات قرآنی سے غلط معانی و مفاہیم کے استنباط و استخراج کا قوی اندیشہ ہے۔

دیگر طرق تفسیر کو نظر انداز کرنے سے غلطی میں پڑنے کی چند مثالیں :

دیگر طرق تفسیر کو نظر انداز کر کے محض تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر قراان کی تفسیر کرنے سے غلطیاں ہوسکتی ہیں اس کا محض اندیشہ ہی نہیں ، بلکہ بہ کثرت مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں ۔ بہ طور نمونہ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

الف: تفسیر بالسنۃ سے اعراض

تفسیر مأثور کی دوسری شق تفسیر القرآن بالسنۃ ہے۔ اس کی وضاحت عموماً یہ کی گئی ہے کہ اگر کسی آیت کی تفسیر دیگر مماثل آیات سے نہ ہو سکے تو سنت سے رجوع کیا جائے کیوں کہ اس سے قرآن کی شرح و توضیح ہو جاتی ہے:

فان أعیاک ذلک فعلیک بالسنة، فانها شارحة للقرآن و موضحة له (۵۸)

احادیث کو نظر انداز کر کے صرف قرآن کو بنیاد بنا کر تفسیر کرنے سے بسا اوقات غلط نتائج مستنبط کر لیے جاتے ہیں۔ دو مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے لیے نعمۃ اور نعیم دونوں الفاظ آتے ہیں۔ مفسرین اور علمائے لغت نے عموماً دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، لیکن ڈاکٹر بنت الشاطی اس سے اختلاف کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ پورے قرآن میں جب ہم دونوں الفاظ کا استقراء کرتے ہیں تو دونوں کے معنی میں واضح فرق دیکھتے ہیں۔ نعمۃ کا لفظ قرآن میں مختلف اقسام کی دنیوی نعمتوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ تمام مواقع استعمال (جن کی تعداد ۵۳ہے) کہیں اس کے برخلاف نہیں ہے۔ لیکن نعیم کا استعمال قرآن میں صرف آخرت کی نعمتوں کے لیے خاص ہے۔ ایسا تمام آیتوں میں ہے جن کی تعدا سولہ ہے۔ پندرہ آیتوں میں صریح لفظ کے ساتھ وارد ہے، جہاں جنت کی نعمتوں کے علاوہ اور کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ (المائدۃ:۶۵، التوبۃ:۲۹، یونس:۹، الحج:۵۶، الشعراء:۸۵، لقمان:۸، الصافات:۴۳، الطّور:۱۷، الواقعہ:۱۲۔۸۹، القلم:۳۴، المعارج:۳۸، الدھر:۲۰، المطففین:۲۲،۲۴) صرف سورۃ التکاثر کی آیت میں ان لوگوں کو خطاب کر کے جنہیں ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا کمانے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھاہے کہا گیا ہے:**ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ** (آیت۸) ڈاکٹر بنت الشاطی کا اصرار ہے کہ جب قرآن کے پندرہ مقامات پر نعیم کا استعمال آخرت کی نعمتوں کے لیے ہوا ہے تو اس سولھویں مقام پر بھی اسے اسی معنیٰ میں لینا چاہیے۔ اس بنا پر وہ دیگر مفسرین سے اختلاف کرتی ہیں جنھوں نے سورۃ التکاثر کی آیت میں نعیم سے مراد دنیا کی نعمتیں لی ہیں۔(۵۹)

ڈاکٹر بنت الشاطی کو اصرار نہ رہتا اگر وہ اس جانب توجہ کرتیں کہ صحیح احادیث میں نعیم کا استعمال دنیاوی نعمتوں کے لیے بھی ہوا ہے۔ چند احادیث درج ذیل ہیں :

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ جب آیت **ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ** نازل ہوئی تو صحابہ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول، ہم سے کن نعمتوں کے بارے میں سوال ہو گا، جب کہ ہمیں کھانے پینے کو صرف یہ دو چیزیں (کھجور اور پانی میسر ہیں، دشمنوں سے ہمارا سابقہ ہے اور ہم ہر وقت شمشیر بہ کف رہتے ہیں۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا: ہاں ایسا ہو کر رہے گا (۶۰) ایک دوسری حدیث حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

اِنَّ أول ما يُسْئَلُ عنه يوم القيامة يعنى العبد من النعيم ان يقال له الم نصح لک جسمک ونرويک من الماء البارد (۶۱)

''روز قیامت بندے سے اس کو دی جانے والی نعمتوں سے متعلق سب سے پہلے یہ سوال

کیا جائے گا کہ کیا ہم نے تجھے صحت مندجسم نہیں دیا تھا اور تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا''۔

۲۔ مولانا فراہی نے لکھا ہے کہ قاتل اور اقتتل (دونوں الفاظ جنگ و جدال اور لڑائی جھگڑا کے معنی میں آتے ہیں، لیکن) دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر مخالفین کے درمیان ہوتا ہے، جب کہ موخرالذکر ایک قوم کے افراد کے درمیان ہوتا ہے (الاوّل بین المخالفین والثانی بین رجال قوم واحد) انھوں نے یہ معنی قرآن کی درج ذیل آیات سے مستنبط کیا ہے:

۔ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَ تْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَ لَوْ شَآ ءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا.(البقرہ:۲۵۳)

۔ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات:۹)

موخر الذکر آیت کے ذیل میں وہ لکھتے ہیں:یہاں پہلے 'اقتتلوا' آیا ہے۔ بعد میں جب ایک گروہ نے اصلاح قبول نہیں کی اور اپنی سرکشی جاری رکھی تو اس کے لیے'قاتلوا' کا لفظ استعمال کیا گیا۔(۶۲)

اگر صرف آیاتِ قرآنی تک محدود رہا جائے تو مولانا فراہیؒ کی تحقیق درست معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عربی زبان کی رو سے 'اقتتل' میں یہی معنی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ 'اقتتل'کا استعمال ان صورتوں میں بھی ہوتا ہے جب لڑائی کرنے والے فریقین الگ الگ مذاہب یا فرقوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ چند حدیثیں درج ذیل ہیں:

عن المقداد بن الأسود قال یا رسول الله ، أرأیت ان لقیت رجلاً من الکفار فاقتتلنا فضرب احدی یدیّ بالسیف فقطعها، ثم لاذ منی فقال اسلمت للّٰه، أأقتله یا رسول الله بعد أن قالها؟ فقال رسول الله ﷺ لا تقتله (۶۳)

عن عبدالله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال: تقتتلون انتم والیهود (۶۴) عن سهل بن سعد الساعدیؓ ان رسول اللهﷺ التقی هو وا لمشرکون فاقتتلوا (۶۵)

اسی بنا پر ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی نے حدیث کی مذکورہ مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

لا وجه لتخصیص اقتتل برجال قوم واحد، وقد جاء کثیراً للقتال بین المسلمین والکفار (۶۶)(اقتتل کو ایک قوم کے افراد کے ساتھ خاص کرنے کی توجیہ صحیح نہیں۔ اس کا استعمال مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ کے لیے کثرت سے ہوا ہے)

(ب) آثار صحابہ و تابعین سے اعراض

بسا اوقات آیات قرآنی کے صحیح معانی تک پہنچنے کے لیے آثار صحابہ و تابعین کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر اسے نظر انداز کر دیا جائے تو آیاتِ قرآنی کے غلط معنی مستنبط کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً سورۃ المائدہ میں ہے :

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَ طَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ (المائدہ:۵)

بعض حضرات دعویٰ کرتے ہیں کہ اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح جائز نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں (الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ) سے مراد اہل کتاب کی وہ عورتیں ہیں جو ایمان لے آئی ہیں۔ تائید میں وہ النور ۲۳/ اور النساء/ ۲۵ کی آیات پیش کرتے ہیں کہ ان میں ان کے ساتھ المُوْمِنٰت کی صفت آئی ہے۔ اور النور ۴/ میں صرف المُحْصَنٰت آیا ہے، جب کہ وہاں مسلمان عورتیں مراد ہیں۔(۶۷)

اس استدلال کی کمزوری یوں بھی واضح ہے کہ اسی زیر بحث آیت میں المُحْصَنٰتُ مِنَ المُوْمِنٰتِ الگ سے آیا ہے۔ اس لفظ المُحْصَنٰتُ میں ایمان کا مفہوم شامل کرنا صحیح نہیں، لیکن یہ مفہوم لینے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ بھی ہے کہ آثار صحابہ و تابعین کا ایک بڑا ذخیرہ اس مفہوم کی تردید کرتاہے۔ متعدد صحابہ نے قرآن کی اس اجازت سے (کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے) فائدہ اٹھایا تھا اور یہ چیز تاریخ و سیر کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے۔ جمہور امت نے اس آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اس میں مسلمانوں کے لیے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا گیا ہے۔ (۶۸)

ج:صحف سماوی سے اعراض

آیات قرآنی کی صحیح تاویل بعض مواقع پر ممکن نہیں اگر اس سلسلے میں صحف سماوی کے بیانات کو پیش نظر نہ رکھا جائے۔ بسااوقات اس پہلو کو نظر انداز کر دینے سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ قرآن قریم کی متعدد آیات میں قتل الانبیاء کو یہود کا ایک جرم بتایا گیا ہے: ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ (البقرۃ:۶۱) مزید ملاحظہ کیجیے: البقرہ:۸۷،۹۱، ال عمران:۲۱،۱۱۲،۱۸۳ المائدہ:۷۰۔

بعض حضرات نے یہ خیال پیش کا ہے کہ ان آیات میں قتل سے مراد مخالفت ہے اس کا مطلب جان سے مار دینا نہیں ہے ۔ انبیاء کا قتل ممکن نہیں، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی براہ راست نگرانی اور حفاظت میں ہوتے ہیں۔ دلیل میں وہ قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں: کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْز (المجادلۃ: ۲۱) (۶۹)

اس تاویل کی غلطی کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ خود یہود و نصاریٰ کے صحیفے اس پر شاہد ہیں کہ یہود نے قتل انبیاء کے جرم کا ارتکاب کیا ہے (۷۰)

۲۔ بعض حضرات نے یہ لطیفہ پیش کیا ہے کہ ''حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے نہیں، بلکہ بیٹے ہیں، کیونکہ قرآن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ دونوں کے عطا کیے جانے کا تذکرہ کرتا ہے: وَ وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ (الانعام:۸۴) مزید ملاحظہ کیجیے۔ ھود:۷۱، مریم:۴۹،الانبیاء:۷۲ (۷۱)

یہ تاویل اس لیے بھی غلط ہے کہ بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسحٰقؑ اور حضرت اسحٰقؑ سے حضرت یعقوبؑ کے پیدا ہونے کی صراحت موجود ہے۔ (۷۲)

(د) لغت اور کلام عرب سے اعراض

آیات قرآنی کے صحیح معانی کی تعیین میں بسا اوقات لغت اور کلام عرب معاون ثابت ہوتے ہیں انہیں نظر انداز کر دیا جائے تو آیات کی تاویل میں غلطی ہو جاتی ہے۔ دو مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ سورۃ اعلیٰ میں ہے :وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی (آیات:۴۔۵) کا ترجمہ مفسرین نے عام طور پر سیاہ کوڑا کرکٹ کیا ہے ، لیکن لغت اور کلام عرب سے اس سے مختلف مفہوم نکلتا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے لکھا ہے:

> عربی میں لفظ 'غثاء' تو بے شک جھاگ اور خس و خاشاک کے معنی میں بھی آتا ہے، لیکن 'احویٰ' ہرگز اس سیاہی کے لیے نہیں آتا جو کسی شے میں اس کی کہنگی، بوسیدگی اور پامالی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ یہ اس سیاہی مائل سرخی یا سبزی کے لیے آتا ہے جو کسی شے پر اس کی تازگی ، شادابی، زرخیزی اور جوش نمو کے سبب سے نمایاں ہوتی ہے ...... لفظ 'غثاء'اگرچہ مکھن کے جھاگ اور سیلاب کے خس و خشاک کے لیے بھی آتا ہے، لیکن اس سبزہ کے لیے بھی اس کا استعمال معروف ہے جو زمین کی زرخیزی کے سبب سے اچھی طرح گھنا اور سیاہی مائل ہو گیا ہو۔ (۷۳)

یہ تاویل اصلاً مولانا اصلاحی کے استاذ امام مولانا فراہیؒ کی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''مفردات القرآن'' میں مذکورہ بالا معنی کی تائید میں کلام عرب سے پانچ اشعار نقل کیے ہیں۔ محقق و محشی ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی نے مزید چودہ شواہد ذکر کیے ہیں۔ (۷۴)

۲۔ سورۂ التحریم میں ہے: اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (آیت:۴)

مفسرین نے عموماً 'صغت' کی تاویل 'زاغت' سے کی ہے ۔لیکن یہ تاویل لغت اور کلام عرب کے خلاف ہے ۔ لفظ 'صغو' عربی میں کسی شے سے انحراف کے معنی میں نہیں، بلکہ کسی شے کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کے معنی میں آتا ہے ۔مولانا فراہیؒ نے سورۂ مرالتحریم کی تفسیر میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے اور تائید میں کلام عرب سے متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ (۷۵)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ الزمر:۲۳

۲۔ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ادره الرشید دیو بند، س ن ، نوع/۷۸، ۳۸۷/۲

۳۔ د۔ محمد بن محمد ابو شھبۃ، الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر، مکتبہ السنۃ القاھرہ، ۱۴۰۸ اور ص۴۴۔

۴۔ اس تعریف کے لیے ملاحظہ کیجیے الشیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن، دارالاحیاء الکتب العربیۃ، مصر، س ن، ۴۸۰/۱، الاستاذ شھاب الدین الفرفور (سوریا) مقالہ: من اصول التفسیر و ضوابط، مجلۃ المنھل الشھریۃ، جدہ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ (عدد خاص) جلد ۵۳/، شمارہ۴۹۱/، ستمبر اکتوبر۱۹۹۱ء، ص ۹۹، شیخ محمد علی صابونی نے یہ تعریف بیان کرنے کے بعد لکھا ہے : **فالتفسير المأثور إمّا أن يكون تفسير القرآن بالقرآن، أو تفسير القرآن بالسنة النبوية أو تفسير القرآن بالمأثور عن الصحابة،** ملاحظہ کیجیے ان کی کتاب : التبیان فی علوم القرآن، عالم الکتب بیرو، ۱۹۸۵ء، طبع اول، ص ۶۷

۵۔ د۔ عدنان محمد زر زور، مدخل الی تفسیر القرآن و بیان اعجاز ہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۸۴ء طبع سوم، ص ۴۰۳

۶۔ جلال الدین السیوطی ، الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، دارالفکر ،بیروت، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۲ء/۴/۱

۷۔ ملاحظہ کیجیے الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر ،ص ۴۴۔

۸۔ مدخل الی تفسیر القران، ص ۴۰۴

۹۔ د۔ مساعد مسلم عبداللہ آل جعفر، أثر التطور الفکری فی التفسیر فی العھد العباسی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۴ء ص ۴۷

۱۰۔ حوالہ سابق

۱۱۔ شیخ الاسلام تقی الدین احمد ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، المطبعۃ السلفیۃ ومکتبتھا القاھرہ، ۱۳۹۷ھ، ص ۳۲، فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، طبع سعودی عرب، ۳۶۳/۱۳۔

۱۲۔ ملاحظہ کیجیے ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، وزارۃ اوقاف والشؤون الاسلامیۃ قطر، مقدمہ، ۱۲/۱، بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی، البرھان فی علوم القرآن، دارالمعرفۃ بیروت، س ن ، ۱۷۵/۲

۱۳۔ الشیخ محمد الامینی الشنقیطی، اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ۳/۱

۱۴۔ د۔ محمد حسین الذھبی، التفسیر و المفسرون، دارالکتب الحدیثہ مصر، ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء، الطبقہ الثانیۃ، ص ۴۱۔

۱۵۔ د۔ محمود النقراشی السید علی، مناھج المفسرین من العصر الاول الی العصر الحدیث، مکتبہ النھضۃ، القصیم، البریدۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، الجزء الاول ،التفسیر بالمأثور، ۱۹۸۶ء، طبع اول ص ۲۵۔

۱۶۔ الامام عبدالحمید الفراہی، مقدمۃ تفسیر نظام القرآن، الدائرۃ الحمیدیہ سرائے میر ، اعظم گڑھ ۱۳۵۳ھ، ص ۷۔

۱۷۔ مولانا حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن، دائرۂ حمیدیہ، سرائے میر، ۱۹۹۶ء، مقدمہ ،ص ۳۳۔

۱۸۔ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص ۱۰

۱۹۔ امام حمیدالدین فراہی، تفسیر قرآن کے اصول ، ترتیب، ترجمہ: خالد مسعود، ادارۂ تدبر قرآن و حدیث، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۸۶۔

۲۰۔ الامام عبدالحمید الفراہی، رسائل الامام عبدالحمید الفراہی فی علوم القرآن، الدائرۃ الحمیدیۃ سرائے میر، اعظم گڑھ ۱۹۹۱ء، طبع دوم (دلائل النظام) ص ۸۳۔

۲۱۔ تفسیر قرآن کے اصول، ص ۱۵۳،

۲۲۔ مولانا امین احسن اصلاحی، مبادیٔ تدبر قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن ، لاہور، ۱۹۸۰ء طبع چہارم، ص ۵۲۔

۲۳۔ مبادی تدبر قرآن، ص ۱۹۱۔۱۹۲

۲۴۔ التفسیر و المفسرون، ص۴۱

۲۵۔ رسائل الامام الفراہی،(التکمیل فی اصول التاویل) ص ۲۴۲۔

۲۶۔ تفسیر قرآن کے اصول، ص۱۵۳۔۱۵۴

۲۷۔ مبادی تدبر قرآن ،ص ۵۳۔

۲۸۔ مقدمہ فی اصول التفسیر، ص۳۲، فتاویٰ ابن تیمیہ، ۳۶۳/۱۳، البرہان فی علوم القرآن، ۱۷۵/۲، تفسیر ابن کثیر(مقدمہ) ۱۲/۱۔ الاتقان ، ۳۸۷/۲، مزید ملاحظہ کیجیے...... مناہج المفسرین من العصر الاول الی العصر الحدیث، ۲۴/۱۔۲۵، اثر التطور الفکری فی التفسیر ص۷۳،۷۵، مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، الدار السعودیہ للنشر، ۱۹۷۱ء، ص ۲۸۲، رسائل الامام الفراہی (التکمیل) ص ۲۴۲، ۲۶۳، الاسرائیلیات والموضوعات فی التفسیر، ص۴۴۔

۲۹۔ الاتقان ، ۳۸۷/۲

۳۰۔ مبادی تدبر قرآن، ص ۵۳

۳۱۔ حوالہ سابق، ص ۱۹۱۔۲۹۲، مزید ملاحظہ کیجیے، مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی دہلی، ۱۹۸۹ء (مقدمہ) ۲۷/۱۔۲۸

۳۲۔ مناہل العرفان، ۴۸۰/۱، التبیان فی علوم القرآن، ۶۷۔۶۸۔

۳۳۔ الاسرائیلیات والموضوعات فی التفسیر، ص ۴۴۔

۳۴۔ الاتقان، ۴۰/۲۔۴۱۔

۳۵۔ التبیان، ص۶۸۔

۳۶۔ الشیخ محمد خضری بک، اصول الفقہ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء، ص ۱۸۶۔۱۸۷۔
۳۷۔ اثر التطور الفکری فی التفسیر، ص ۴۷
۳۸۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۹۲۲ء، ص ۴۱۔۴۲
۳۹۔ مبادی تدبر قرآن ،ص ۵۳۔
۴۰۔ اضواء البیان، ۶۸۶/۵۔ ۶۸۷ بحوالہ اتجاہات التفسیر
۴۱۔ الامام عبدالحمید الفراہی، مفردات القرآن، تحقیق: د۔محمد اجمل ایوب الاصلاحی، الدائرۃ الحمیدیہ، سرائے میر اعظم گڑھ
۴۲۔ ابو حیان، البحر المحیط، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۲۰۰۲ء، ۲۱۸/۲، الزمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، شرکۃ و مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی وأولادہ مصر، ۳۵۵/۱۔
۴۳۔ رسائل الامام الفراہی (التکمیل) ص ۲۶۳(تفسیر قرآن کے اصول، ص ۱۵۷۔۱۵۸)
۴۴۔ رسائل الامام الفراہی (التکمیل) ص ۲۴۳
۴۵۔ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی، قرآن کریم کا اعجاز بیان، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۱۹۹۹ء، ص ۲۹۱۔۲۹۴
۴۶۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے: القاتل بن سلیمان، الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم ،تحقیق د۔ عبداللہ محمود شحاتۃ، القاہرہ، ۱۹۷۵ء، ہارون بن موسیٰ القاری، الوجوہ والنظائر فی القرآن الکریم، تحقیق: د۔ حاتم الضامن، بغداد، ۱۹۸۸ء، یحیٰ بن سلام، التصاریف: تفسیر القرآن مما اشتبہت اسماء ہ و تصرفت معانیہ، تحقیق: ہند شلبی، تونس، ۱۹۸۰ء، ابو عبداللہ محمد بن علی بن محمد الدامغانی۔ اصلاح الوجوہ والنظائر فی القرآن الکریم تحقیق عبدالعزیز سید الاھل، بیروت، ۱۹۷۰ء، ابن الجوزی، نزھۃ الأعین النواظر فی علم الوجوہ والنظائر۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد ۱۹۷۴ء، ابن العماد المصر ی۔ کشف الاسرار فی معنی الوجوہ والاشباہ والنظائر، تحقیق: فؤاد عبدالمنعم، الاسکندریہ مصر، ۱۹۷۷ء
۴۷۔ مفردات القرآن، ص ۲۳۳۔ ۲۳۴
۴۸۔ حوالہ سابق،ص ۲۸۰۔۲۸۱
۴۹۔ حوالہ سابق، ص ۲۹۶۔۲۹۷
۵۰۔ مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی، مقالہ ’’امام فراہی اور علم تفسیر ۔ پانچ امتیازی خصوصیات، مشمولہ علامہ حمیدالدین فراہی۔ حیات و افکار (مقالات فراہی سیمینار) انجمن طلبۂ قدیم مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۶۔
۵۱۔ حوالہ سابق، ص ۱۱۷
۵۲۔ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص ۱
۵۳۔ تفسیر نظام القرآن (مقدمہ) ص ۲۷
۵۴۔ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص ۶
۵۵۔ رسائل الامام الفراہی (التکمیل ص ۲۴۲
۵۶۔ تدبر قرآن، ۱۷/۱،۲۷
۵۷۔ محمد ابو زید، الھدایہ والعرفان فی تفسیر القرآن بالقرآن۔ ص ’ج‘ بہ حوالہ اتجاہات التفسیر، ۱۰۷۸/۴، مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے ایک جگہ لکھا ہے : ’’فہم قرآن کی کلید خود قرآن ہی ہے۔ وہ اپنے تمام اجمالات کی خود تشریح کرتا ہے۔ وہ اپنے مفہوم و معنی کی تعیین، اپنے مقاصد و مطالب کی تفسیر اور اپنے نکات و حقائق کی تشریح کے لیے کسی چیز کا محتاج نہیں ہے‘‘ مبادی تدبر قرآن، ص ۵۳۔ مولانا اصلاحیؒ تفسیر قرآن کے علاوہ دیگر چیزوں سے

استفادہ کے قائل ہیں، اگرچہ وہ انہیں فرع کی حیثیت دیتے ہیں، لیکن اس اقتباس میں انہوں نے جو طرز تعبیر اختیار کیا ہے اسے اہل اغراضِ باطلہ اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

۵۸۔ مقدمہ فی اصول التفسیر، ص ۳۲،تفسیر ابن کثیر، ۱۲/۱، البرہان فی علوم القرآن، ۱۷۵/۲

۵۹۔ قرآن کریم کا اعجاز بیان، ص ۲۹۸۔ ۲۹۹۔

۶۰۔ جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، سورۃ التکاثر، حدیث: ۳۳۵۷۔ اسی مضمون کی حدیث حضرت زبیر بن العوامؓ سے بھی مروی ہے ملاحظہ کیجیے جامع ترمذی، ۳۳۵۶،سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، ۱۴۵۸

۶۱۔ جامع ترمذی، ۳۳۵۸

۶۲۔ مفردات القرآن، ص ۳۰۳۔۳۰۴۔ 'اقتتل' کے باب سے ایک لفظ قصۂ موسیٰؑ کے ضمن میں قرآن کی اس آیت میں بھی آیا ہے ۔ :فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ(القصص/۱۵)

۶۳۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث: ۴۰۱۹۔

۶۴۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، حدیث: ۷۳۳۷

۶۵۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث: ۳۰۶

۶۶۔ مفردات القرآن ،ص ۳۰۳(حاشیہ)

۶۷۔ مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی، مقالہ: ''نکاح و طلاق کا قرآنی نظام'' پیش کردہ سیمینار خاندانی نظام اور قرآنی تعلیمات ۲۰۔۲۱/نومبر ۲۰۰۹ء ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ، ص ۸۴۔۸۵۔

۶۸۔ ملاحظہ کیجیے، ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن (تفسیر الطبری) تحقیق : محمود محمد شاکر و احمد محمد شاکر، دارالمعارف مصر، سنہ طبع غیر مذکور ۵۸۱/۹۔۵۹۰

۶۹۔ مصنف غیر مذکور، ترجمۃ القرآن بتصریف آیت الفرقان المعروف بہ تفسیر القرآن بالقرآن، ادارہ بلاغ القرآن لاہور، سنہ طبع غیر مذکور، ص ۷۰

۷۰۔ ملاحظہ کیجیے عہد نامہ قدیم میں کتاب یرمیاہ، ۳:۲، کتاب نحمیاہ، ۲۶:۹ اور عہد نامہ جدید میں کتاب متی: ۲۳: ۲۹۔ ۳۷، کتاب لوقا، ۳۴:۱۲،۳۵۔

۷۱۔ سکندر احمد، ذکر انبیاء، طبع علی گڑھ، ۲۰۰۱ء ص ۳۳۔ ۳۴

۷۲۔ ملاحظہ کیجیے کتاب پیدائش، ۱۹:۲۵۔۲۶۔

۷۳۔ تدبر قرآن، ۳۱۵/۹

۷۴۔ مفردات القرآن، ص ۱۳۹۔۱۴۶

۷۵۔ تفسیر نظام القرآن (التحریم) ص ۱۷۴۔ ۱۷۵،مفردات القرآن، ص ۲۹۳۔ ۲۹۶۔